THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

Vol.4 No.1 2026

تفسیرِ قرآن میں حدیث نبوی کی حجیت: فرقِ منحرفہ کے افکار کا تنقیدی جائزہ

THE AUTHORITY OF HADITH IN THE INTERPRETATION OF THE QURAN: A CRITICAL STUDY OF THE VIEWS OF DEVIANT SECTS

Dr. Hafiz Saifullah Sajid
Assistant Professor, Govt. Islamia Graduate College, Kasur.
Ruqia Hassan
Head of Department Islamiat & Lecturer Defence Degree College for Women, Lahore.
Dr. Usman Abbas Rai
(Corresponding Author)
Lecturer, Department of Basic Sciences & Humanities (Islamic Studies), UET Lahore (Narowal Campus).
Siddiqua Aslam Qureshi
Visiting Lecturer Quran Translation, University of the Punjab, Lahore.

Abstract

The Prophetic Sunnah occupies a central position in the interpretation of the Quran and has been recognized by the overwhelming majority of Muslim scholars as an indispensable source of Tafseer. Nevertheless, certain theological groups, particularly the Mutazila and the Khawarij, adopted interpretive approaches that either restricted or questioned the authority of Hadith in explaining Quranic injunctions. This study critically examines the methodological foundations of these approaches and evaluates their arguments in the light of the Quran, authentic Sunnah, the understanding of the Companions, and classical Islamic scholarship. The paper further highlights practical legal implications arising from the rejection or limitation of Hadith, including issues related to legislation, worship, and legal reasoning. It concludes that the explanatory authority of the Prophetic Sunnah is an essential component of Islamic hermeneutics, without which a comprehensive understanding of the Quran remains unattainable.

Keywords: Hadith, Mutazila, Khawarij, Quranic Interpretation, Critical Study.

حدیث مبارکہ کو نظر انداز کرنے، اور قرآن فہمی میں اس کو اہمیت نہ دینے کا سلسلہ صحابہ کرام کے زمانہ میں ہی، بعض گروہوں کی طرف سے شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام نے بہترین حکمت عملی کے ساتھ ایسے لوگوں کو لاجواب کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ عرصہ بعد یہ لوگ تقریبا ختم ہو گئے اور ان کی فکر کی غلطی تمام امت کے سامنے بے نقاب ہو گئی۔ البتہ استعمار کے زمانہ میں عالم اسلام پر جب مغربی اقوام نے یلغار کی، تو بہت سے مستشرقین نے اسلام کے احکام پر اعتراضات کیے۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے حدیث مبارکہ پر بھی اعتراضات کے، جس کی وجہ سے بہت سے مسلمان بھی ان کے فریب میں آ گئے۔ اس باب میں شروع سے لیکر اب تک کے اس طرح کے نظریات کا جائزہ لیا جائے گا۔ استعمار کے بعد کے نظریات کو ہم جدید رجانات سے تعبیر کر رہے ہیں۔

خوارج کا تاریخی پس منظر اور فکری تشکیل

جب ۳۷ھ میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی فوجوں میں صفین کے مقام پر جنگ ہو رہی تھی تو حضرت معاویہؓ نے جنگ میں اپنی پوزیشن کمزور دیکھتے ہوئے پیشکش کر دی کہ آپس میں لڑنے اور خون بہاتے چلے جانے کی بجائے قرآن کریم کے مطابق کسی کو حکم اور ثالث مقرر کر کے ان کے ذریعہ ہم اپنے تنازعات طے کر لیں۔ حضرت علیؓ کے لیے اس پیشکش کو مسترد کرنا مشکل تھا اس لیے انہوں نے اسے قبول کر کے جنگ بندی کا اعلان کر دیا، مگر ان کی فوج میں شامل بنو تمیم کے لوگوں نے حضرت علیؓ کے اس فیصلے سے اختلاف کیا اور قرآن کریم کی آیت مبارکہ ان الحکم الا للہ سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ حکم دینا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور انسانوں میں سے کسی کو حکم اور ثالث مقرر کرنا کفر ہے، اس لیے حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ کر کے ان کے نزدیک کفر کا ارتکاب کیا ہے لہٰذا وہ اس کفر سے توبہ کریں ورنہ ہم ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔ حضرت علیؓ نے یہ موقف تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جس پر ان کے لشکر سے چھ ہزار افراد الگ ہو گئے جن میں سے زیادہ افراد کا تعلق بنو تمیم سے تھا۔ انہوں نے

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

Vol.4 No.1 2026

”حروراء“ کے مقام پر پہنچ کر پڑاؤ کیا اور عبد اللہ بن وہب راسی کو اپنا امیر منتخب کر لیا۔ چونکہ اس گروہ نے امیر المومنین حضرت علیؓ کی اطاعت سے نکلنے کا اعلان کیا اس لیے انہیں ”خارجی“ کہا جاتا ہے۔ اور انہوں نے حروراء کے مقام پر اپنا امیر منتخب کر کے با قاعدہ گروہ کی شکل اختیار کی اس لیے انہیں ”حروریۃ“ بھی کہا جاتا ہے۔ خارجیوں نے حضرت علیؓ کے لشکر سے الگ ہو کر صرف سیاسی بنیادوں پر علیحدہ تشخص اختیار نہیں کیا بلکہ اپنے افکار و خیالات کو با قاعدہ عقائد کی شکل دے کر ایک نئے مذہبی گروہ اور مکتب فکر کے طور پر سامنے آئے اور صدیوں تک امت مسلمہ کے لیے پریشان کن مسئلہ بنے رہے۔ ان کے عقائد میں یہ بات شامل ہے کہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے سے مسلمان کافر اور واجب القتل ہو جاتا ہے۔ اس بنیاد پر جہاں بھی ان کا اقتدار قائم ہوا انہوں نے بے شمار مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ ان کا کہنا تھا کہ خلیفہ برحق صرف دو بزرگ تھے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ۔ ان کے بعد حضرت عثمانؓ صرف چھ سال برحق خلیفہ رہے لیکن جب ان پر لوگوں کی طرف سے اعتراضات شروع ہو گئے تو وہ خلیفہ برحق کے منصب سے معزول ہو گئے۔ خارجیوں کے نزدیک حضرت علیؓ بھی جنگ صفین تک خلیفہ برحق تھے اس کے بعد جب انہوں نے تحکیم قبول کر لی تو وہ بھی خلیفہ نہ رہے بلکہ (نعوذ باللہ) انہوں نے ایسا کفر کیا کہ توبہ کے بغیر وہ اپنی پہلی پوزیشن پر واپس نہیں آسکتے تھے[1]۔

خارجیوں کے ایک فرقہ "ازارقہ" کے نزدیک کسی مسلمان کے لیے کبیرہ گناہ کا ارتکاب اتنا سخت جرم ہے کہ وہ اس سے مرتد قرار پاتا ہے اور اس کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی۔ اور ان کے ہاں شرعی حکم یہ ہے کہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا مسلمان کافر ہو گیا ہے، اس نے ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہنا ہے اور اس کے لیے شفاعت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ خارجی قرآن کریم کی بعض آیات مبارکہ کے ظاہری مفہوم سے استدلال کرتے ہوئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمیت کسی بھی نبی، ولی یا بزرگ کی شفاعت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ حضرت علیؓ نے صفر ۳۸ھ میں خوارج کے خلاف نہروان کے مقام پر لشکر کشی کرتے ہوئے انہیں شکست دی جس میں ان کا پہلا امیر عبد اللہ بن وہب بھی مارا گیا۔ لیکن اس گروہ کا خاتمہ نہ ہو سکا اور اس نے مختلف مقامات پر مختلف اوقات میں تسلط حاصل کیا اور حکومت قائم کی۔ حضرت علیؓ خارجیوں کی سازش کا شکار ہو کر اسی گروہ کے فرد عبد الرحمان بن ملجم کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ خارجیوں نے ۱۴۴ھ میں مراکش اور الجزائر کے علاقہ میں "تاہرت" نامی شہر آباد کر کے "سلطنت رستمیہ" کی بنیاد رکھی اور ایک ایرانی النسل عبد الرحمان بن رستم کو پہلا امام چنا۔ یہ سلطنت کم و بیش ڈیڑھ سو سال تک قائم رہی اور ۲۹۶ھ میں فاطمیوں کے ایک پر جوش داعی ابو عبد اللہ کے ہاتھوں اس سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ خوارج سخت جنگ جو تھے اور چھاپہ مار جنگ کے ماہر تھے۔ وہ قرآن کریم کی تلاوت، نماز، روزہ کی پابندی اور شب زندہ داری میں اس قدر معروف تھے کہ عبادت و ریاضت میں انہیں بطور مثال پیش کیا جاتا تھا۔ ان کا ایک فرقہ "اباضیہ" کہلاتا ہے جو یمامہ کی ایک بستی اباضہ کے رہنے والے خارجی شیخ عبد اللہ بن اباض کی طرف منسوب ہے۔ یہ فرقہ وہی عقائد رکھتا ہے جو دوسرے خارجیوں کے ہیں لیکن طرز عمل میں دوسرے گروہوں سے نسبتاً نرم اور معتدل سمجھا جاتا ہے۔ یہ فرقہ آج تک موجود ہے، خلیج عرب کی ریاست "سلطنت آف عمان" میں اسی گروہ کی حکمرانی ہے اور مسقط اس ریاست کا دارالحکومت ہے[2]۔

معتزلہ کا ارتقاء، اصول اور فکری بنیادیں

معتزلہ کا امام واصل بن عطاء، مشہور جلیل القدر تابعی امام حسن بصری رحمہ اللہ کے شاگرد ہوا کرتے تھے۔ جب اس نے امام حسن بصری رحمہ اللہ سے کبیرہ گناہ کے مرتکب کے حکم کے بارے میں پوچھا؟ تو آپ نے اہل سنت والجماعت کا جو قول ہے وہی فرمایا: "انه مؤمن ناقص الایمان، مؤمن بایمانه فاسق بکبیرته" وہ ناقص الایمان مومن ہے، اپنے ایمان کی وجہ سے مومن ہے اور کبیرہ گناہ کی وجہ سے فاسق ہے۔ مگر واصل بن عطاء اپنے شیخ کے اس جواب سے راضی نہ ہوا تو اس نے اعتزال (کنارہ کشی) اختیار کر لی اور کہا: نہیں، میں ایسے کبیرہ گناہ کے مرتکب کو نہ مومن سمجھتا ہوں اور نہ کافر بلکہ وہ تو منزل بین المنزلتین (دو منزلوں کے درمیان ایک منزل) پر ہے۔ پس اس نے اپنے شیخ حسن رحمہ اللہ کا حلقہ چھوڑ کر مسجد کے ایک کونے میں جگہ اختیار کر لی اور آہستہ آہستہ اوباش قسم کے لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس کے قول کے قائل ہو گئے۔ یہی حال ہوتا ہے گمراہی کے داعیان کا ہر دور میں کہ لازمی طور پر بہت سے لوگ ان کی طرف لپکے جاتے ہیں، اس میں بھی اللہ تعالی کی عظیم حکمتیں پنہاں ہیں۔ انہوں نے حسن جو کہ اہل سنت کے امام اور شیخ تھے کی مجلس جو کہ خیر و علم کی مجلس تھی کو چھوڑ کر اس گمراہ اور گمراہ گر معتزلی واصل بن عطاء کی مجلس

---

[1] زاہد الراشدی، **خوارج اور ان کا طرزِ استدلال**، اسلام آباد، اوصاف، 17 اپریل، 2001ء

[2] زاہد الراشدی، **خوارج اور ان کا طرزِ استدلال**، اسلام آباد، اوصاف، 17 اپریل، 2001ء

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

Vol.4 No.1 2026

اختیار کی۔اس کے مشابہ بہت سے لوگ ہمارے اس زمانے میں بھی پائے جاتے ہیں جو علماء اہل سنت والجماعت کی مجلس چھوڑ کر منحرف فکر کے مفکرین کی مجالس کو اختیار کر لیتے ہیں۔پس آپ انہیں پائیں گے کہ انہی کی کیسٹوں اور کتابوں کی شدید حرص کرتے ہیں اور انہی پر قناعت کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔اگر آپ ان سے کہیں کہ اس میں ایسی باتیں ہیں جو عقیدۂ اہل سنت والجماعت اور سلف صالحین کے خلاف ہے جیسے خلق قرآن، یا تاویل صفات باری تعالی، یا پھر حکمرانوں کے خلاف لوگوں کو ابھارنا وغیرہ۔ تو وہ کہتے ہیں کہ: یہ تو معمولی سے غلطیاں ہیں جو اس کتاب کی قرأت اور اس کی تقاریر سننے میں کوئی مانع نہیں، حالانکہ ہمارے سلف وخلف علماء کی کتب میں وہ کچھ ہے جو ان کی کتابیں پڑھنے سے ہمیں مستغنی کر دیتا ہے۔تو جو کوئی ان کی بات سنتا ہے اسے وہ اس طرح سے گمراہ کرتے ہیں۔پس یہ لوگ اس وقت سے معتزلہ کے نام سے پہچانے جانے لگے کیونکہ انہوں نے اہل سنت والجماعت سے اعتزال (دوری) اختیار کی۔انہوں نے اللہ تعالی کی صفات کا انکار کیا اور اسماء کو صفات سے عاری محض بے صفت کا نام ثابت کیا۔ اور مرتکب کبیرہ گناہ کے بارے میں آخرت کے تعلق سے وہی خوارج کے قول کے قائل ہوگئے کہ وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں رہے گا لیکن دنیا کے معاملے میں خوارج سے تھوڑا اختلاف کیا اور کہا کہ وہ دو منزلوں کے مابین ایک منزل میں ہے یعنی نہ مومن ہے نہ کافر۔ جبکہ خوارج اسے سیدھا کافر کہتے ہیں۔[1]

معتزلہ کے مشہور پانچ اصول ہیں: توحید، عدل، منزلہ بین المنزلتین، انفاذالوعید، امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔ان کی تفصیل عقائد کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔[2]

حدیث کی تفسیری حجیت کے بارے معتزلہ کا منہج

تفسیر قرآن مجید کے حوالے سے معتزلہ نے اپنی عقل کو اہمیت دی، اور احادیث رسول ﷺ کو نظر انداز کر دیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ جمہور اہل سنت سے، بہت سے بنیادی مسائل میں جدا ہو گئے۔ان لوگوں نے اپنی عقل کو فیصل بنا لیا، اور بظاہر عقل سے متعارض تمام احکام کو ماننے سے انکار کر دیا، یا ایسی تاویل کر دی جس کی کوئی گنجائش شریعت میں نہیں تھی۔علامہ ابن تیمیہ اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں: والمقصود أن مثل هؤلاء اعتقدوا رأيا ثم حملوا ألفاظ القرآن عليه، وليس لهم سلف من الصحابة والتابعين لهم بإحسان، ولا من أئمة المسلمين لا في رأيهم ولا في تفسيرهم، وما من تفسير من تفاسيرهم الباطلة إلا وبطلانه يظهر من وجوه كثيرة[3] "اور مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگوں نے ایک رائے قائم کی، پھر قرآن کے الفاظ کو اس پر چسپاں کیا، حالانکہ ان کے پاس اسلاف صحابہ کرام، تابعین، اور ائمہ مسلمین سے ان کے عقیدے اور تفسیر میں کوئی دلیل ور ہنمائی نہیں ہے۔اور ان کی باطل تفاسیر میں سے ہر ایک کا بطلان ظاہر ہو جاتا ہے کئی اعتبار سے" علامہ ابن تیمیہ نے معتزلہ کا طریقہ کار بتادیا کہ یہ لوگ ایک رائے پہلے سے بنا لیتے ہیں، پھر نصوص کو ان کے مطابق چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ طریقہ بالکل باطل ہے۔

خوارج کے نزدیک حدیث کی تفسیری حیثیت

آنحضرت ﷺ کی رحلت کے کچھ ہی عرصہ بعد فقہائے صحابہ کا سامنا بعض ایسے لوگوں سے ہوا جن کا فکری رجحان یہ تھا کہ دینی احکام اور پابندیوں کا ماخذ قرآن مجید میں تلاش کرنے پر اصرار کیا جائے اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل انکار نہ کرتے ہوئے بھی عملاً احادیث میں منقول احکام وہدایات کو زیادہ اہم نہ سمجھا جائے، اور نہ ہی قرآن مجید کی آیات کی تعبیر و تشریح میں ان کو حجت تسلیم کیا جائے۔ ایسے لوگوں کے متعلق پیشین گوئی اور تنبیہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مواقع پر فرمائی تھی، جیسا کہ بابِ اول کی فصلِ ثانی میں نقل کی گئی بعض احادیث سے یہ بات بالکل واضح ہے۔

خوارج کا ظاہری وحرفی منہج استدلال

عہد صحابہ میں یہ انداز فکر خوارج اور بعض دیگر منحرف گروہوں کی طرف سے سامنے آیا۔ نصوص کے فہم اور ان سے استدلال کے ضمن میں خوارج کا بنیادی رجحان حرفیت، یعنی کلام کے بالکل ظاہری اور لفظی معنی پر اصرار سے عبارت تھا۔اس رجحان کے تحت انھوں نے جنگ صفین میں حکمین کی تقرری کو قبول کرنے پر "ان الحکم

---

[1] صالح بن فوازن الفوزان، **لمحة عن الفرق الضالة** (رياض: دارالسلف للنشر والتوزيع،1995) ص50

[2] ابن تيمية، **مقدمه فی اصول التفسير** (بيروت: دار مكتبة الحياة، 1980) ،ص 34

[3] **مقدمه فی اصول التفسير** ،ص 35

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

Vol.4 No.1 2026

الا للہ"[1] سے استدلال کرتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا[2]۔ اور اسی نقطہ نظر کی توسیع کرتے ہوئے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والے مسلمانوں کی تکفیر اور جہنم سے نکالے جانے کے امکان کو کلیتاً مسترد کرنے کا موقف اختیار کیا۔[3]

قرآن مجید میں بظاہر تعارض کا اصولی جائزہ

خوارج کے نظم قرآن کے ظاہری معنی پر اصرار کرنے کا ایک نتیجہ بہت سی ایسی احادیث کے انکار کی صورت میں بھی ظاہر ہوا جو بظاہر قرآن مجید کی کسی آیت سے ٹکراتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ خوارج نے اس نوعیت کی احادیث کو رد کرنے کے لیے قرآن مجید کے ظاہر کو اپنا بنیادی متدل قرار دیا۔ مثال کے طور پر وہ قیامت کے دن نیک لوگوں کی سفارش پر گناہ گاروں کو جہنم سے نکالے جانے کے متعلق احادیث کو یہ کہہ کر رد کرتے تھے کہ یہ قرآن مجید کے خلاف ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: "كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ "[4] ترجمہ: جب بھی گھبرا کر وہاں سے نکلنا چاہیں گے تو اسی میں لوٹا دیے جائیں گے، اور دوزخ کا عذاب چکھتے رہو۔ لہٰذا انہوں نے شفاعت کی وجہ سے مومنین کے جہنم سے نکلنے کا انکار کر دیا۔

اسی طرح قرآن کریم میں مومنوں کو دعا سکھائی گئی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: "رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭوَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ "[5] اے رب ہمارے! جسے تو نے دوزخ میں داخل کیا سو تو نے اسے رسوا کیا، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہو گا۔ ان جیسی آیات سے خوارج یہ استدلال کرتے تھے کہ جس شخص کو بھی، چاہے وہ کافر ہو یا مومن، جہنم میں داخل کیا جائے گا، اسے کسی بھی حال میں اس سے نکلنا نصیب نہیں ہو گا[6]

سنت کے مستقل تشریعی مقام سے انکار کا تجزیہ

قرآن مجید کے ظاہری معنی پر اکتفاء کرنے کے رجحان کے تحت خوارج نے بہت سے امور میں ایسے شرعی احکام کو قبول کرنے سے بھی انکار کیا جو مشہور و معروف احادیث سے تو ثابت تھے، لیکن قرآن مجید میں مذکور نہیں تھے یا قرآن کے ظاہری حکم میں تحدید و تخصیص کا تقاضا کرتے تھے۔ علامہ ابن حجر نے اس حوالے سے خوارج کے رجحان کا بنیادی نکتہ یوں واضح کیا ہے: "هم فرق كثيرة،لكن من اصولهم المتفق عليهابينهماالاخذبمادل عليه القرآن وردمازادعليه من الحديث مطلقا"[7] خوارج کے مختلف فرقے ہیں، لیکن ان کے متفقہ اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ جتنا حکم قرآن نے بیان کیا ہے، اسے لے لیا جائے اور حدیث میں اس سے متعلق جو اضافے وارد ہوئے ہیں، انھیں مطلقاً رد کر دیا جائے۔

اس رجحان کے حوالے سے خوارج کے مختلف گروہوں سے منقول بعض مثالیں حسب ذیل ہیں:

1۔ احادیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو ماہواری کی حالت میں فوت شدہ نمازوں کی قضا سے مستثنیٰ قرار دیا۔ خوارج اس استثناء کو نماز کی فرضیت اور فوت ہو جانے کی صورت میں نماز کی قضا کے حکم کے منافی سمجھتے تھے اور ماہواری سے پاک ہونے پر ان دنوں کی نمازوں کی قضا کو بھی خواتین پر لازم قرار دیتے تھے۔ چناں چہ روایت ہے: " أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ لِعَائِشَةَ : "أَتَجْزِي إِحْدَانَا صَلَاتَهَا إِذَا طَهُرَتْ ؟ فَقَالَتْ: أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ، كُنَّا نَحِيضُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَأْمُرُنَا بِهِ أَوْ قَالَتْ فَلَا نَفْعَلُهُ"[8] ایک عورت نے حضرت عائشہ سے کہا کہ کیا ہم میں سے کسی کو اس کی نماز صرف اسی قدر زمانہ میں جبکہ وہ طاہر رہے کافی ہے

[6] سورہ یوسف ، 40:12

[2] ابن جریر الطبری، **تاریخ طبری** (کراچی، نفیس اکیڈمی) ،ج 3 ، ص 374

[3] ابوبکر الرازی الجصاص، **احکام القرآن** (بیروت، داراحیاء التراث العربی)، ج4، ص 94

[4] سورہ حج ، 22:22

[5] سورہ آل عمران ،192:3

[6] مسلم بن حجاج ، **صحیح مسلم**، کتاب الایمان، باب ادنی اہل الجنة منزلة فیہا، رقم ۴۷۳

[7] ابن حجر عسقلانی، **فتح الباری** (ریاض، المکتبة السلفیه)، ج 1، ص 422

[8] محمد بن اسماعیل ، **صحیح بخاری**، کتاب الحیض، باب لا تقضی الحائض الصلاة، رقم 319

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

Vol.4 No.1 2026

؟تو حضرت عائشہ (رض) نے کہا کہ کیا تو حروریہ ہے، یقیناً ہم نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہمراہ رہتے تھے اور حیض آتا تھا، مگر آپ ہمیں نماز کی قضا پڑھنے کا حکم نہ دیتے تھے، یا عائشہ نے یہ کہا کہ ہم قضا نہ پڑھتے تھے۔

2۔ مشہور و معروف احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے مکمل وضو کے بعد موزے پہننے کی صورت میں دوبارہ کرتے ہوئے پاؤں کو دھونے کی بجائے موزوں پر مسح فرمایا۔ روایات میں ہے:"عَنْ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ بَيْنَا أَنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ إِذْ نَزَلَ فَقَضَى حَاجَتَهُ ثُمَّ جَاءَ فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ مِنْ إِدَاوَةٍ كَانَتْ مَعِي فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ"[1] مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ میں ایک رات رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تھا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اچانک اترے اور اپنی حاجت سے فارغ ہوئے پھر واپس آئے تو میں نے اپنے پاس موجود برتن میں سے پانی ڈالا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے وضو فرمایا اور موزوں پر مسح کیا۔ تاہم خوارج وضو میں موزوں پر مسح کرنے کے منکر تھے اور ان کا استدلال یہ تھا کہ قرآن مجید میں وضو کا طریقہ بیان کرتے ہوئے پاوں کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے موزوں پر مسح کرنا قرآن کے حکم کے خلاف ہے۔[2]

3۔ تیسری طلاق کے بعد قرآن نے یہ پابندی عائد کی ہے کہ عورت اپنے پہلے شوہر کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور اگر وہ بھی اسے طلاق دے دے تو پھر باہمی رضامندی سے وہ اور اس کا سابقہ شوہر دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ سورہ بقرہ میں ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰي تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ[3] ترجمہ: پھر اگر اس کو طلاق دے، تو اب حلال نہیں اس کو وہ عورت اس کے بعد جب تک نکاح نہ کرے کسی خاوند سے اس کے سوا۔ بظاہر الفاظ کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ دوسرے شوہر سے صرف عقد نکاح ہو جانا کافی ہے، تاہم ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک دوسرا شوہر بیوی سے ہم بستری نہ کرلے، وہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔ عن عائشة، "ان رجلا طلق امراته ثلاثا فتزوجت، فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم: اتحل للاول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الاول[4]." عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک صاحب نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی تھی۔ ان کی بیوی نے دوسری شادی کر لی، پھر دوسرے شوہر نے بھی) ہمبستری سے پہلے (انہیں طلاق دے دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کیا پہلا شوہر اب ان کے لیے حلال ہے) کہ ان سے دوبارہ شادی کر لیں۔ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، یہاں تک کہ وہ یعنی شوہر ثانی اس کا مزہ چکھے جیسا کہ پہلے نے مزہ چکھا تھا۔ خوارج کے بعض گروہ اس کو قبول نہیں کرتے تھے اور ان کا موقف یہ تھا کہ اگر دوسرا شوہر محض ایجاب و قبول کے بعد بھی عورت کو طلاق دے دے تو وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی۔[5]

4۔ خوارج نے عموماً شادی شدہ اور غیر شادی شدہ زانی کی سزا میں فرق کرنے اور شادی شدہ زانی کے لیے رجم کی سزا کو قبول کرنے سے انکار کیا، کیونکہ قرآن مجید میں ایسا کوئی فرق نہیں کیا گیا اور زانی مرد و عورت کے لیے مطلقاً سو کوڑے کی سزا بیان کی ہے، لہذا قرآن مجید میں جو بات قطعی طور پر ثابت ہے اس کو خبر واحد کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے جس میں کذب کا احتمال ہے۔[6]

5۔ اسی طرح انھوں نے پھوپھی اور بھتیجی یا خالہ اور بھانجی کو ایک آدمی کے نکاح میں بیک وقت جمع کرنے کو جائز قرار دیا اور اس ضمن میں احادیث میں وارد ممانعت کو قبول نہیں کیا، کیونکہ قرآن مجید میں ظاہراً صرف دو بہنوں کو ایک آدمی کے نکاح میں جمع کرنے کی پابندی بیان کی گئی ہے: وَشَذَّتْ طَائِفَةٌ مِنْ الْخَوَارِجِ بِإِبَاحَةِ

[1] مسلم بن حجاج، **صحیح مسلم**، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین، رقم628

[2] محمد بن علی الشوکانی، **نیل الاوطار**، (دار ابن الجوزیہ)، ج 2، ص 162-163

[3] سورہ البقرۃ، 230:2

[4] محمد بن اسماعیل، **صحیح بخاری**، کتاب الطلاق، باب من اجاز طلاق الثلاث، رقم5261

[5] علامہ ابن قدامہ، **المغنی**(المکتبۃ الشاملۃ)، ج 7، ص 516

[6] ایضا، ج 9، ص 35

THE STUDY OF RELIGION AND HISTORY

ISSN P : 3006-3329

ISSN E : 3006-3337

Vol.4 No.1 2026

الْجَمْعِ بَيْنَ مَنْ عَدَا الْأُخْتَيْنِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: {وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكُمْ} وَأَخْطَأَتْ فِي ذَلِكَ وَضَلَّتْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ[1] ترجمہ: اور خوارج کا ایک گروہ دو بہنوں کے علاوہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنے کی اباحت کا قائل ہوا اللہ کے فرمان (واحل لکم ماوراء ذلکم) کے وجہ سے، اور الگ راستہ اپنا کر سیدھی راہ سے گمراہ ہو گئے۔

6۔ قرآن مجید میں چوری کا ارتکاب کرنے والے مرد اور عورت کا ہاتھ کاٹنے کی سزا بیان کی گئی ہے اور اس ضمن میں کوئی مزید قید یا تحدید بیان نہیں کی گئی۔ خوارج نے اس سے یہ اخذ کیا کہ ہاتھ کا لفظ چونکہ پورے بازو کے لیے بولا جاتا ہے، اس لیے چور کا ہاتھ کندھے کاٹ کر الگ کیا جائے گا۔[2] یوں انھوں نے ان احادیث کو رد کر دیا جن میں بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کا ہاتھ گٹے سے کاٹا اور ہاتھ کاٹنے کے لیے یہ شرط بیان کی کہ چور نے اتنی مالیت کی چیز چرائی ہو جس کی قیمت کم سے کم ایک ڈھال کے برابر ہو۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ تَكُنْ تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِي أَدْنَى مِنْ حَجَفَةٍ أَوْ تُرْسٍ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ذُو ثَمَنٍ[3] ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے بیان کیا کہ حجفہ یا ڈھال کی قیمت سے کم میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا اور ان دونوں میں سے ہر ایک قیمت والی ہے۔

7۔ قرآن مجید میں والدین اور اولاد نیز میاں بیوی اور بہن بھائیوں کے ایک دوسرے کے وارث بننے کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور بظاہر ان میں کوئی قید مذکور نہیں[4]۔ تاہم احادیث اور صحابہ کے تعامل سے ثابت ہے کہ وارث اگر اپنے مورث کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اسے وراثت سے حصہ نہیں دیا جائے گا۔ اس تخصیص کے، بظاہر قرآن کے عموم کے خلاف ہونے کی وجہ سے خوارج نے اسے قبول نہیں کیا اور ان کی رائے یہ تھی کہ عمداً مورث کو قتل کرنے والا بھی وراثت میں حصہ دار ہو گا۔[5]

فقہائے صحابہ کرام کا اسلوبِ استدلال

تفسیرِ قرآن کے سلسلے میں قرآن کریم پر انحصار کرنے یا قرآن کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے احادیث کو ترک کر دینے کے اس رجحان کے مقابلے میں فقہائے صحابہ و تابعین کے موقف کا بنیادی اور اہم ترین نکتہ یہ تھا کہ کتاب اللہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی واجب الاتباع ہے اور ہدایت کا ماخذ ہونے میں قرآن اور سنت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور انہوں نے خوارج وغیرہ کے مخالف نظریہ کو ایسی خوش اسلوبی سے دبایا کہ ان کے نظریات زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکے۔ اس حوالے سے کچھ مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

احکام شرعیہ کے اثبات میں حدیث کی بنیادی حیثیت

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم قرآن مجید کے ساتھ ساتھ حدیث مبارکہ کو بھی شرعی احکام کا بنیادی ماخذ سمجھتے تھے، نیز وہ سنت مبارکہ کی تشریح کو قرآن کے لیے ضروری گردانتے تھے، **حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں:** عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ: «لَعَنَ عَبْدُ اللَّهِ، الوَاشِمَاتِ وَالمُتَنَمِّصَاتِ، وَالمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ المُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللَّهِ» فَقَالَتْ أُمُّ يَعْقُوبَ: مَا هَذَا؟ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: «وَمَا لِي لاَ أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ، وَفِي كِتَابِ اللَّهِ؟» قَالَتْ: وَاللَّهِ لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَا وَجَدْتُهُ، قَالَ: " وَاللَّهِ لَئِنْ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِيهِ: {وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا} [الحشر: 7] "[6] علقمہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہنے جسم کو گدوانے والی، ابروؤں کو باریک کرنے والی اور دانتوں میں مصنوعی طور پر فاصلہ پیدا کرنے والی خواتین پر لعنت کی تو ام یعقوب نے اس پر تعجب ظاہر کیا۔ ابن مسعود نے کہا کہ جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت کی ہو، اور وہ بات اللہ کی کتاب میں بھی ہو، میں اس پر کیوں نہ لعنت کروں؟ ام یعقوب نے کہا کہ بخدا، میں نے پورا قرآن پڑھا ہے، لیکن یہ بات مجھے اس میں نہیں ملی۔ ابن مسعود نے کہا کہ اگر تم نے صحیح معنوں میں پڑھا ہوتا تو مل جاتا۔ پھر انھوں

---

[1] ابوبکر الرازی الجصاص، **احکام القرآن**(بیروت، داراحیاء التراث العربی)، ج3، ص 79

[2] ایضا

[3] محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: {وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا} [المائدة: 38] وَفِي كَمْ يُقْطَعُ؟، رقم6793

[4] سورہ نساء، 10،11:4

[5] علامہ ابن قدامہ، **المغنی**، المكتبة الشاملة، ج 6، ص 364

[6] محمد بن اسماعیل، **صحیح البخاری**، کتاب اللباس، باب المتنمصات، رقم5939

نے یہ آیت پڑھی :وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُم عَنهُ فَانتَهُوا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حدیث کو قرآن کا بیان اور ترجمان سمجھتے تھے، گویا کہ سنت میں آنے والے ہر حکم شرعی کی بنیاد اجمالی طور پر قرآن مجید میں موجود ہے۔

بیع سلم: حدیث سے مشروعیت کا استدلال

ابو البختری الطائی کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیع سلم کے متعلق پوچھا اور کہا کہ :"انا ندع اشیاءلا نجد لها فی کتاب الله عز وجل تحریما، قال انا نفعل ذلک، نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن بیع النخل حتی یوکل"[1]"ہم بہت سی ایسی چیزیں بھی ترک کر دیتے ہیں جن کے متعلق اللہ کی کتاب میں حرمت کا حکم ہمیں نہیں ملتا۔ ابن عباس نے کہا کہ ہاں، ہم ایسے ہی کرتے ہیں (کیونکہ اللہ کے رسول کی بیان کردہ حرمت کا حکم بھی وہی ہے جو قرآن کا ہے، اور) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کا پھل بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ کھانے کے قابل نہ ہو جائے۔" گویا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح قرآن مجید سے ہمارے دین کے احکام ثابت ہوتے ہیں اسی طرح آنحضرت ﷺ کی احادیث مبارکہ سے بھی بہت سے احکام شرعیہ ثابت ہوتے ہیں، اور ماخذ دین ہونے کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

نماز قصر: سنت نبوی کی تشریعی راہ نمائی

عبد اللہ بن ابی بکر بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ ہمیں کتاب اللہ میں خوف کی حالت میں تو نماز قصر کرنے کا ذکر ملتا ہے، لیکن سفر میں نماز قصر کا ذکر نہیں ملتا؟ ابن عمر نے جواب میں فرمایا کہ "ان الله بعث الینا محمدا صلی الله علیه وسلم ولا نعلم شیئا، فانما نفعل کما راینا محمدا صلی الله علیه وسلم یفعل"[2]" اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تو ہمیں کسی بات کا علم نہیں تھا (یعنی ہم نے جو کچھ سیکھا، آپ سے ہی سیکھا)، اس لیے ہم تو ویسے ہی کرتے ہیں جیسے ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا۔"

ایام مخصوصہ کی نمازوں کی قضا

ایک خاتون نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا حائضہ کو ماہواری کے دنوں کی چھوٹی ہوئی نمازیں قضا کرنی چاہییں؟ سیدہ عائشہ نے کہا کہ:" أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ لِعَائِشَةَ : "أَتَجْزِي إِحْدَانَا صَلَاتَهَا إِذَا طَهُرَتْ ؟ فَقَالَتْ: أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ، كُنَّا نَحِيضُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَأْمُرُنَا بِهِ أَوْ قَالَتْ فَلَا نَفْعَلُهُ"[3] ایک عورت نے حضرت عائشہ سے کہا کہ کیا ہم میں سے کسی کو اس کی نماز صرف اسی قدر زمانہ میں جبکہ وہ طاہر رہے کافی ہے؟ تو حضرت عائشہ نے کہا کہ کیا تو حروریہ ہے، یقیناً ہم نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہمراہ رہتے تھے اور حیض آتا تھا، مگر آپ ہمیں نماز کی قضا پڑھنے کا حکم نہ دیتے تھے، یا عائشہ نے یہ کہا کہ ہم قضا نہ پڑھتے تھے۔

سنت کے بغیر اسلامی احکام کی نامکمل تفہیم

قرآن کے بیان کردہ احکام پر اکتفا کرنے اور احادیث میں وارد احکام کو نظر انداز کرنے کے زاویہ نظر کی غلطی کو واضح کرنے کے لیے صحابہ و تابعین کے ہاں یہ استدلال بہت عام ملتا ہے کہ خوارج وغیرہ بھی سنت کو ماخذ استدلال مانے بغیر، صرف قرآن پر انحصار کرتے ہوئے بہت سے بنیادی دینی احکام حاصل نہیں کر سکتے۔ مسند عبد اللہ بن المبارک میں ابو نضرۃ بیان کرتے ہیں: عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ , أَنَّ رَجُلًا أَتَاهُ فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ فَحَدَّثَهُ , فَقَالَ الرَّجُلُ: حَدِّثُوا عَنْ كِتَابِ اللَّهِ وَلَا تُحدِّثُوا عَنْ غَيْرِهِ , فَقَالَ: «إِنَّكَ امْرُؤٌ أَحْمَقُ , أَتَجِدُ فِي كِتَابِ اللَّهِ أَنَّ صَلَاةَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا لَا يُجْهَرُ فِيهَا , وَعَدَّدَ الصَّلَوَاتِ وَعَدَّدَ الزَّكَاةِ وَنَحْوَهَا , ثُمَّ قَالَ: أَتَجِدُ هَذَا مُفَسَّرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ , إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَحْكَمَ ذَلِكَ وَالسُّنَّةُ تُفَسِّرُ ذَلِكَ»[4] عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی تو ایک شخص نے کہا کہ لوگو، اللہ

---

[1] ابو جعفر طحاوی، **شرح معانی الآثار**،کتاب البیوع، رقم3645

[2] محمد بن یزید، **سنن ابن ماجه**، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب تقصیر الصلاة فی السفر، رقم 1069

[3] محمد بن اسماعیل ، **صحیح بخاری**، کتاب الحیض، باب لا تقضی الحائض الصلاة، رقم 319

[4] عبداللہ بن مبارک، **مسند عبد اللہ بن المبارک**، المکتبة الشاملة، رقم 234

کی کتاب کی بات بیان کیا کرو اور اس کے علاوہ کسی اور کی بات نہ بیان کیا کرو۔ عمران بن حصین نے اس سے کہا کہ تم ایک احمق آدمی ہو۔ کیا تمھیں کتاب اللہ میں یہ بات ملتی ہے کہ ظہر کی نماز کی چار رکعتیں ہیں جن میں جہری قراءت نہ کی جائے؟ پھر انھوں نے نمازوں کی رکعات اور زکوٰۃ کے نصابات کا ذکر کیا اور کہا کہ: کیا تمھیں یہ ساری تفصیل کتاب اللہ میں ملتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو اصولی طور پر ذکر کیا ہے، جبکہ سنت ان کی تشریح و تفصیل کرتی ہے۔"

ایک دوسری روایت کے مطابق عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:من این تجدون فی کتاب اللہ الصلاۃالخمس وفی کل مائتین خمسۃدراھم وفی کل اربعین دینارادیناروفی کل عشرین نصف دینار؟اشیاءمن ھذاعددھا،ولکن خذواکمااخذنا"[1] تمھیں کتاب اللہ میں پانچ نمازوں کا، اور ہر دو سو درہم میں پانچ درہم اور ہر چار دینار میں ایک دینار اور ہر بیس دینار میں نصف دینار زکوٰۃ لینے کا ذکر کہاں ملتا ہے؟ عمران بن حصین نے اس نوعیت کی اور باتوں کا بھی ذکر کیا(اور کہا کہ) جیسے ہم نے یہ احکام (سنت سے) لیے ہیں، اسی طرح تم بھی لو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خوارج سے علمی گفتگو

"بلغنا أن رجلين من الخوارج أتيا عمر بن عبد العزيز فكان مما أنكرا عليه رجم الزانيين وتحريم الجمع بين المرأة وعمتها، وبينها وبين خالتها، وقالا: ليس هذا في كتاب الله تعالى فقال لهما: كم فرض الله عليكم من الصلاة؟ قالا: خمس صلوات في اليوم والليلة وسألهما عن عدد ركعاتها، فأخبراه بذلك وسألهما عن مقدار الزكاة ونصبها، فأخبراه، فقال: فأين تجدان ذلك في كتاب الله؟ قالا: لا نجده في كتاب الله قال: فمن أين صرتما إلى ذلك؟ قالا: فعله رسول الله - صلى الله عليه وسلم - والمسلمون بعده: قال فكذلك هذا."[2] خوارج میں سے دو آدمی عمر بن عبد العزیز کے پاس آئے اور زانیوں کو رجم کرنے اور پھوپھی کے ساتھ بھتیجی یا خالہ کے ساتھ بھانجی کو ایک آدمی کے نکاح میں جمع کرنے کی حرمت پر اعتراض کیا اور کہا کہ یہ باتیں قرآن مجید میں نہیں ہیں۔ عمر بن عبد العزیز نے ان سے کہا کہ اللہ نے تم پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟ انھوں نے کہا کہ ایک دن رات میں پانچ نمازیں۔ عمر بن عبد العزیز نے ان سے نمازوں کی رکعتوں کی تعداد پوچھی جو انھوں نے بتائی۔ انھوں نے زکوٰۃ کی مقدار اور نصابات سے متعلق دریافت کیا اور انھوں نے وہ بھی بتا دیے۔ عمر بن عبد العزیز نے پوچھا کہ یہ باتیں تمھیں کتاب اللہ میں کس جگہ ملتی ہیں؟ انھوں نے کہا کہ کتاب اللہ میں تو نہیں ملتیں۔ عمر بن عبد العزیز نے کہا کہ پھر تم نے یہ کیسے قبول کی ہیں؟ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے ہی کیا ہے اور آپ کے بعد مسلمانوں نے بھی۔ عمر بن عبد العزیز نے کہا کہ پھر جو باتیں تم پوچھ رہے ہو، ان کا معاملہ بھی یہی ہے۔

ظاہر قرآن سے استدلال کی حدود اور اصول

جہاں تک قرآن مجید کے ظاہری عمومات سے استدلال کرنے کے رجحان کا تعلق ہے، جس کا ایک نتیجہ بعض صورتوں میں احادیث کو رد کرنے کی صورت میں نکلتا تھا، تو فقہائے صحابہ و تابعین نے اس کی غلطی کو واضح کرنے کے لیے مختلف اسالیب اختیار کیے۔

مثال کے طور پر ایک اسلوب یہ تھا کہ جن آیات سے کوئی خاص نتیجہ اخذ کیا جا رہا ہے، ان کے سیاق وسباق اور داخلی دلالتوں یا دیگر آیات کی روشنی میں فہم کی غلطی کو واضح کیا جائے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اصلاحی گفتگو

مسلم شریف کی تفصیلی روایت ملاحظہ فرمائیں:يزيد الفقير ، قال: " كنت قد شغفني راي من راي الخوارج، فخرجنا في عصابة ذوي عدد، نريد ان نحج، ثم نخرج على الناس، قال: فمررنا على المدينة، فإذا جابر بن عبد الله يحدث القوم، جالس إلى سارية، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: فإذا هو قد ذكر الجهنميين، قال: فقلت له: يا صاحب رسول الله، ما هذا الذي تحدثون! والله يقول: إنك من تدخل النار فقد اخزيته سورة آل عمران آية 192، و كلما ارادوا ان يخرجوا منها اعيدوا فيها سورة السجدة آية 20، فما هذا الذي تقولون؟ قال: فقال: اتقرا القرآن؟ قلت: نعم، قال: فهل سمعت بمقام محمد صلى الله عليه وسلم يعني الذي يبعثه الله فيه؟ قلت: نعم، قال: فإنه مقام محمد صلى الله عليه

[1] احمد بن عمرو البزار، **مسند البزار**، باب اول، حديث عمران بن حصين، رقم 3021

[2] محمد بن قدامه، **المغنی**(المکتبه الشاملة)، ج7، ص115

وسلم المحمود الذي يخرج الله به من يخرج، قال: ثم نعت وضع الصراط، ومر الناس عليه، قال: واخاف ان لا اكون احفظ ذاك، قال: غير انه قد زعم، ان قوما يخرجون من النار، بعد ان يكونوا فيها، قال: يعني فيخرجون كانهم عيدان السماسم، قال: فيدخلون نهرا من انهار الجنة، فيغتسلون فيه فيخرجون كانهم القراطيس " فرجعنا، قلنا: ويحكم اترون الشيخ يكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، فرجعنا، فلا والله ما خرج منا غير رجل واحد، او كما قال ابو نعيم[1].یزید فقیر سے روایت ہے، میرے دل میں خارجیوں کی ایک بات کھب گئی تھی(وہ یہ کہ کبیرہ گناہ کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اور جو جہنم میں جائے گا وہ پھر وہاں سے نہ نکلے گا) تو ہم نکلے ایک بڑی جماعت کے ساتھ اس ارادے سے کہ حج کریں، پھر خارجیوں کا مذہب پھیلائیں جب ہم مدینے میں پہنچے دیکھا تو سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ایک ستون کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو حدیثیں سنا رہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، انہوں نے یکایک ذکر کیا دوزخیوں کا۔ میں نے کہا: اے صحابی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، تم کیا حدیث بیان کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔)" اے رب ہمارے (بے شک تو جس کو جہنم میں لے گیا تو نے اس کو رسوا کیا "اور فرماتا ہے" : جہنم کے لوگ جب وہاں سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اس میں ڈال دیئے جائیں گے۔ "اب تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: تو نے قرآن پڑھا ہے؟ میں نے کہا: ہاں، انہوں نے پھر کہا: تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سنا ہے یعنی وہ مقام جو اللہ ان کو قیامت کے روز عنایت فرمائے گا) جس کا بیان اس آیت میں ہے » عسي أن يبعثك (« میں نے کہا: ہاں میں نے سنا ہے انہوں نے کہا: پھر وہی مقام محمود ہے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نکالے گا جہنم سے ان لوگوں کو جن کو چاہے گا۔) پھر بیان کیا (انہوں نے پل صراط کا حال اور لوگوں کے گزرنے کا اس پل پر سے اور مجھے ڈر ہے۔ یاد نہ رہا ہو یہ مگر انہوں نے یہ کہا: کہ کچھ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ اس میں جانے کے بعد اور اس طرح سے نکلیں گے جیسے آبنوس کی لکڑیاں۔) سیاہ جل بھن کر (پھر جنت کی ایک نہر میں جائیں گے اور وہاں غسل کریں گے اور کاغذ کی طرح سفید ہو کر نکلیں گے، یہ سن کر ہم لوٹے اور کہا ہم نے۔ خرابی ہو تمہاری کیا یہ بوڑھا جھوٹ باندھتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر) یعنی وہ ہرگز جھوٹ نہیں بولتا پھر تمہارا مذہب غلط نکلا (اور ہم سب پھر گئے اپنے مذہب سے مگر ایک شخص نہ پھرا۔ ایسا ہی کہا ابو نعیم نے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا خوارج سے علمی مناظرہ

خوارج کے ساتھ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مباحثے میں بھی اس اسلوب کی مثال ملتی ہے۔ خوارج کا کہنا تھا کہ اللہ کے علاوہ کسی کے فیصلے کی کوئی حیثیت نہیں، اس لیے جنگ صفین میں حضرت علی، اپنے اور حضرت معاویہ کے مابین حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کو حکم تسلیم کر کے کفر کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے سامنے قرآن مجید کی دو ہدایات کا حوالہ پیش کیا جن میں فیصلے کے لیے انسانوں کو حکم بنانے کی بات کہی گئی ہے۔ ابن عباس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حالت احرام میں جانور کو شکار کرنے والے کو حکم دیا ہے کہ وہ اس جیسا جانور کفارے کے طور پر قربان کرے اور اس کا فیصلہ مسلمانوں میں سے دو عادل آدمی کریں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے مابین ناچاقی کی صورت میں دونوں خاندانوں میں سے ایک ایک حکم مقرر کرنے کی ہدایت کی ہے جو دونوں کے مابین تصفیہ کروانے کی کوشش کریں۔ ابن عباس نے کہا کہ مذکورہ دو معاملات زیادہ اہم ہیں یا ہزاروں مسلمانوں کے خون کی زیادہ اہمیت ہے؟ اس لیے اگر مسلمانوں کی باہمی خونریزی سے بچنے کے لیے کسی کو حکم بنایا گیا ہے تو یہ ان الحکم الا اللہ کے خلاف نہیں ہے۔[2]

ظاہری منہج استدلال کے علمی نتائج کا تنقیدی جائزہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک اسلوبِ استدلال یہ تھا کہ اختیار کردہ انداز استدلال کے بعض ایسے منطقی نتائج کی طرف توجہ دلائی جائے جو خود مخاطب کو بھی تسلیم نہیں اور اس طرح یہ واضح کیا جائے کہ یہ انداز استدلال درست نہیں۔ مثال کے طور پر خوارج کا سیدنا علی پر یہ اعتراض تھا کہ انھوں نے جنگ صفین میں مدمقابل فریق کے فوجیوں کو قیدی کیوں نہیں بنایا؟ خوارج کا کہنا تھا کہ اگر ان کے خلاف لڑی جانے والی جنگ شرعاً جائز تھی تو جنگ کے احکام کے مطابق انھیں قیدی بنایا جانا چاہیے تھا۔ فقہائے صحابہ اپنی فقہی بصیرت کی بنا پر اس سے واقف تھے کہ جنگ میں قیدی وغیرہ بنانے کے عمومی احکام کفار کے ساتھ لڑائی کے تناظر میں دیے گئے ہیں، جبکہ مسلمانوں کی باہمی لڑائی میں اللہ تعالیٰ کی منشا یہ نہیں ہے، کیونکہ کفار کے خلاف قتال اور شکست خوردہ کفار کی توہین و تذلیل ایک مطلوب امر ہے، جبکہ مسلمانوں کی باہمی

---

[1]مسلم بن حجاج ، **صحیح مسلم**، کتاب الایمان، باب ادنی اہل الجنة منزلة فيها، رقم 473

[2]احمد بن شعیب نسائی، **السنن الکبری**، کتاب الخصائص، ذکر مناظرہ عبد اللہ بن عباس الحرورية، رقم 7346

لڑائی سرے سے مطلوب ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، اس لیے جنگ میں ہارنے والے مسلمانوں پر قیدی بنانے جیسے احکام نافذ کرنا اللہ تعالیٰ کی منشا نہیں ہو سکتی۔
تاہم خوارج کے ظاہر پرست اور حرفیت پسند ذہن کو اس استدلال پر مطمئن کرنا مشکل تھا، چنانچہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انھیں ان کی غلطی اس طرح سمجھائی کہ یہ بتاؤ کہ کیا جنگ جمل میں ام المومنین سیدہ عائشہ کو جنگ کے نتیجے میں قیدی بنانا اور ان پر باندی کے احکام جاری کرنا درست ہوتا؟ اگر تم کہو کہ ہاں تو قرآن مجید نے امہات المومنین کے بارے میں جو احکام دیے ہیں، یہ بات ان کے خلاف ہوگی اور اگر یہ کہو کہ نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قیدی بنانے کے احکام عمومی اور ہر لڑائی پر قابل اطلاق نہیں ہیں۔[1]

تعبیر نبوی: قرآن فہمی کا حتمی معیار

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی طرف سے ایک اور اسلوب یہ تھا کہ زیر بحث مسئلے سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد یا عمل کے حوالے سے یہ واضح کیا جائے کہ قرآن سے جو مدعا سمجھا جا رہا ہے، وہ غلط ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعبیر و تشریح فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔ اس حوالے سے بعض اکابر صحابہ کے ہاں سے یہ خاص انداز فکر ملتا ہے کہ وہ قرآن مجید کے متشابہ اور ذوالوجوہ بیانات سے گمراہ گروہوں کے استدلالات کی غلطی کو واضح کرنے کے لیے جوابی استدلال قرآن کے بجائے سنت سے کرنے کو بہتر اور زیادہ موثر طریقہ سمجھتے تھے۔ چناں چہ عمر بن الاشج روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: انه سياتى ناس يجادلونكم بشبهات القرآن، فخذوهم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بكتاب الله عزوجل[2] عنقریب کچھ ایسے لوگ آئیں گے جو تمھارے ساتھ قرآن کی متشابہ آیات کی بنیاد پر بحث کریں گے۔ تم ان پر سنن کے ذریعے سے گرفت کرنا، کیونکہ سنن کو جاننے والے اللہ کی کتاب کا زیادہ علم رکھتے ہیں۔

سیدنا علی نے جب عبد اللہ بن عباس کو خوارج کے ساتھ گفتگو کے لیے بھیجا تو ان سے فرمایا: اذهب اليهم فخاصمهم وادعهم الى الكتاب والسنة، ولاتحاجهم بالقرآن فانہذووجوه، ولكن خاصمهم بالسنة فقال ابن عباس ياامیرالمومنين فانااعلم بكتاب الله منهم، فى بيوتنا نزل، فقال على: صدقت، ولكن القرآن حمال ذو وجوه، تقول ويقولون، ولكن حاجهم بالسنن فانهم لن يجدوا عنها محيصا[3] ان کے پاس جاؤ اور ان سے بحث کرو اور انھیں کتاب اور سنت کی طرف دعوت دو، لیکن ان کے سامنے قرآن کریم سے استدلال نہ کرنا، اس لیے کہ قرآن کریم کے الفاظ میں مختلف معانی کا احتمال ہوتا ہے، بلکہ ان کے ساتھ سنت کے حوالے سے گفتگو کرنا۔ عبد اللہ بن عباسؓ نے کہا اے امیر المومنین، میں قرآن کریم کو ان سے زیادہ جاننے والا ہوں، یہ تو ہمارے گھروں میں اترا ہے۔ سیدنا علی نے فرمایا کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو، لیکن قرآن کریم احتمالات کا حامل ہے۔ تم ایک مطلب بیان کرو گے تو وہ دوسرا مطلب نکال لیں گے۔ تم ان کے ساتھ سنن کی بنیاد پر بحث کرنا، کیونکہ ان سے بھاگنے کی راہ انھیں نہیں مل سکے گی۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ سے بھی منقول ہے کہ انھوں نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنھما کو ہدایت کی کہ: «لَا تُجَادِلِ النَّاسَ بِالْقُرْآنِ , فَإِنَّكَ لَا تَسْتَطِيعُهُمْ وَلَكِنْ عَلَيْكَ بِالسُّنَّةِ»[4] لوگوں کے ساتھ قرآن کی بنیاد پر بحث نہ کیا کرو کیونکہ اس میں تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، بلکہ سنت سے استدلال کیا کرو۔

خلاصہ

قرآن مجید کی صحیح تعبیر و تشریح میں حدیث نبوی ﷺ بنیادی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہی اللہ تعالیٰ کی وحی کے اولین مفسر ہیں۔ امت مسلمہ کے جمہور علماء نے ہمیشہ سنت کو قرآن کی عملی اور تشریحی تفسیر قرار دیا، تاہم معتزلہ اور خوارج نے اپنے مخصوص اصولِ استدلال کی بنیاد پر بعض مواقع پر حدیث کی تفسیری حجیت کو محدود کرنے یا اس پر اعتراض کرنے کی کوشش کی۔ اس مقالے میں ان دونوں مکاتب فکر کے مناہج، دلائل اور فکری بنیادوں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مزید برآں صحابۂ کرام، تابعین اور آئمہ امت کے استدلال سے واضح کیا گیا ہے کہ سنت نبوی ﷺ کے بغیر نہ قرآن مجید کے متعدد احکام کی صحیح تفہیم ممکن ہے اور نہ ہی اسلامی شریعت کا جامع نظام اپنی اصل صورت میں برقرار رہ سکتا ہے۔ آخر میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ حدیث نبوی ﷺ قرآن مجید کی تفسیر، تشریح اور عملی تطبیق کا ناگزیر ماخذ ہے۔

---

[1] ایضا

[2] عبدالرحمن دارمی، **سنن الدارمی**، المقدمة، باب التورع عن الجواب فی ما ليس فيه كتاب ولا سنة، رقم 241

[3] ابن سعد، **الطبقات الكبرى**(المكتبة الشاملة)، ج1، ص181

[4] الخطيب البغدادى، **الفقيه والمتفقه** (الرياض: السعوديه: دار ابن الجوزى)، ج1، ص561